© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سیرتِ طیبہ کا پیغام
عصرِ حاضر کے نام

"ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے لیکچر کی پہلی قسط "المعارف" کے گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ اب دوسری اور آخری قسط ملاحظہ فرمائیے۔ لیکچر کے بعد حاضرین میں سے بعض حضرات نے ان سے مختلف قسم کے بہت سے سوالات بھی کیے، جن کے اُنھوں نے جواب دیے۔ سوالات اور جوابات بھی یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔ سوالات اور جوابات سے ادارہ "المعارف" کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

میں آپ سے ذکر کر رہا تھا کہ جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو اس کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ کس طرح کی حکومت تھی؟ ظاہر ہے وہ خانوادہ قسم کی بادشاہت نہیں تھی، شاید اس لیے (خدا میرا قصور معاف کرے) کہ رسولِ اکرمؐ کا کوئی بیٹا زندہ نہ تھا۔ اگر نرینہ اولاد موجود ہوتی تو شاید مسلمان اُس کو اپنا جانشین بناتے۔ اپنا خلیفہ اوّل مقرر کرتے، پھر اُس کے بیٹے کو... اور یوں ایک خانوادہ بن جاتا مگر اللہ کو کچھ اور منظور تھا، اس لیے حضورؐ کی اولادِ نرینہ زندہ نہ رہی۔ وہاں بادشاہت کا سوال نہیں تھا، جمہوریت کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا، اس معنی میں کہ جمہوریت میں عوام الناس اپنے صدر کا انتخاب خود کرتے ہیں، اور پیغمبر، خدا کی طرف سے نامزد ہوتا ہے، انسانوں کی طرف سے اس کا انتخاب نہیں ہوتا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک حکومت تھی اس معنی میں کہ ایک فرد (بطور سربراہِ مملکت موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا جس کے احکام جس حد تک انسانی سوسائٹی میں ممکن ہے، سارے لوگ مانتے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اُس وقت چند چیزیں خاص طور پر ممتاز نظر آتی ہیں، وہ یہ کہ ایک حکمران، دوسرے ایک قانون ــ قرآن ایک قانون تھا جس کی تعمیل سارے مسلمانوں کے لیے واجب تھی۔ ایک حکمران ــ ایک قانون ــ اس کے بعد اُن افراد میں اور رعیت میں ایک رابطہ اور ربط قائم تھا۔ کہنا چاہیے کہ ایک تنظیم موجود تھی۔ لیکن کسی حکومت اور مملکت میں زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمین مسلمانوں کے پاس شروع میں نہیں تھی۔ رسولِ اکرمؐ غیر مسلموں کے ملک میں، مکّے کے مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت کے اندر ایک سکونت پذیر شخص کی حیثیت سے موجود تھے۔ جو مٹھی بھر افراد مسلمان ہوئے وہ بھی وہیں کے باشندے تھے، لیکن حکومت ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ البتہ ایک حکومت کے جتنے عناصر ہوتے ہیں ان میں سے چند موجود تھے جنھیں فوراً اختیار کر لیا گیا، جو چند عناصر موجود نہیں تھے ان کے لیے انتظار کرنا پڑا۔ جب آنحضرتؐ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں ایک چھوٹی سی مملکت قائم ہوئی اور اس مملکت کی وسعت چار پانچ مربع میل کے رقبے سے شروع ہو کر دس لاکھ مربع میل تک عہدِ نبویؐ ہی میں پھیل گئی تھی ــ عہدِ نبویؐ کے فوراً بعد جو چیزیں رونما ہوئیں وہ اور بھی زیادہ حیران کن ہیں۔ مثلاً ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ کا حکمران تین برِّ اعظموں پر حکومت کر رہا تھا۔ مسلمانوں کی فوجیں نہ صرف ایشیا اور افریقہ میں تھیں بلکہ یورپ کے اندر بھی وہ لوگ داخل ہو چکے تھے۔

لیکن میں یہاں عہدِ نبویؐ کا ذکر کر رہا ہوں کہ رسول اللہ کے زمانے میں کیا صورتِ حال تھی؟ اس میں ایک چیز قابلِ ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ عرب میں نہ صرف قبیلے تھے بلکہ کچھ سلطنتیں بھی تھیں، ان میں سے عمان کا علاقہ جو شرقِ اردن کا پایۂ تخت ہے، مشرقی عرب میں بحرین کے پاس کا علاقہ ہے، وہاں ایک بادشاہت قائم تھی، بادشاہ نے اپنی وفات کے وقت اپنے دو بیٹوں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، بجائے ایک کے دونوں بیٹوں کو۔ ایک کا نام جیفر اور دوسرے کا نام تھا عبیص ــ بادشاہ کا اپنا نام جولندا تھا ــ رسولِ اکرمؐ کی دعوت پر جیفر اور عبیص دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یاد رہے کہ حکمران ہوتے ہوئے انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام قبول کیا (جب کہ رعیت میں غیر مسلم بھی شامل تھے) اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ ان کا تعلق مدینے کی اسلامی حکومت سے کس طرح ہوا؟

وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ سے رسولِ اکرمؐ نے ایک افسر روانہ کیا جسے شاید آپ ریذیڈنٹ (Resident) کہہ سکتے ہیں۔ وہ ان کے دربار میں رہا۔ اس ریذیڈنٹ کے فرائض میں اسلام کی تبلیغ اور اسلام کی تعلیم بھی شامل تھی، لیکن اُس کو ملک کے عام نظم و نسق میں دخل دینے کی اجازت نہیں تھی۔ ملک کی رعایا خاص کر غیر مسلم رعایا کے سارے معاملات براہِ راست جیفر یا عبص یا دونوں کے پاس تھے اور دونوں مسلمان تھے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، لیکن غیر مسلموں کی آزادی برقرار رکھی گئی تھی۔ ان حالات میں شاید زمانۂ حال کی تعبیر کے لحاظ سے میں کہہ سکوں کہ وہ ایک طرح کا کنفیڈریشن تھا، یونیٹری (وحدانی) حکومت نہیں تھی، اس میں آزاد سلطنتیں بھی بعض شرائط کے ساتھ داخل ہوئی تھیں، چنانچہ اومان کی سلطنت (بھی اپنی اندرونی آزادی کے ساتھ) اس بڑی اسلامی سلطنت کا ایک جزو تھی۔

ایک دوسری مثال لیجیے، حبشہ کا بادشاہ جس کے متعلق ایک قصہ ہماری حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حکمران نجاشی کی وفات ہوئی، جہاں رسول اللہؐ نے مکے میں اذیت سہنے کے زمانے میں کئی نو مسلموں کو جا کر پناہ گزین ہونے کی ہدایت فرمائی تھی، ان میں سے ایک نجاشی کا انتقال ہوا۔ کئی نجاشی مختلف زمانوں میں ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کا انتقال ہوا۔ اس کی مدینے خبر آئی تو رسولِ اکرمؐ نے اس بادشاہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی، جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ مسلمان تھا اور آزاد بھی تھا۔ اس کی حکمرانی میں مدینے کی طرف سے کوئی دخل اندازی نہیں ہوتی تھی۔ بادشاہ کا انفرادی اسلام تھا۔ اس کے بعد وہاں جو حکمران ہوا وہ مسلمان نہیں تھا۔

غرضیکہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ غیر مسلم حکمرانوں کو دوست بنایا جا سکتا ہے اور ان کے ممالک سے تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ نیز ایک حکمران اپنی شخصی حیثیت میں دوسری سلطنت کی رعیت بن جائے، لیکن اپنی سرکاری حیثیت میں آزاد اور خود مختار رہے، یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں صورت نظر آتی ہے۔

عہد نبوی کی اسلامی مملکت کے عناصر میں سے ایک اومان کی حکومت ہے - ایک حبشہ کے نجاشی کی حکومت بھی ہے۔ اس کے علاوہ قبائل بھی آزاد تھے۔ حالانکہ ان قبائل کی حد تک مرکز کی جانب سے زیادہ مطالبات کیے جا سکتے تھے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ قبائل کے سرداروں کو بھی قبول کیا جاتا تھا، اگر مرکزی حکومت کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو قبیلے کے سردار کے ذریعے سے وہ کام انجام دیا جاتا تھا، غرضیکہ یہ اسلامی حکومت جو عہدِ نبوی میں قائم ہوئی، یونیٹری (وحدانی) قسم کی نہیں ہے، اس میں مختلف قسم کے عناصر پائے جاتے ہیں، اس میں افراد بھی ہیں، قبائل کے سردار بھی ہیں، بادشاہتیں بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایک چیز کا اور ذکر کروں، وہ ہے سلطنت کی بقا کے متعلق تدبیریں:-

دوسرے انسانوں کی طرح پیغمبر بھی انسان ہوتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ آپؐ کی وفات ناگزیر تھی، اس لیے وہ ہوئی بھی۔ وفات کے بعد کے کاموں کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے - میں بہت ادب کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں کہ رسول اکرمؐ نے جو سلطنت اور حکومت قائم فرمائی تھی، اس کی وراثت یا جانشینی کے متعلق کوئی ایسی چیز نہ ارشاد فرمائی، نہ اس پر عمل کیا، جو اس دور میں پائی جاتی ہے مثلاً انگلستان میں بادشاہ کے بعد اس کا پہلا بیٹا یا پہلی بیٹی خود بخود جانشین بن جاتے ہیں۔ اگر بیٹا نہ ہو تو بھائی بھتیجا وغیرہ جانشین مقرر ہو جاتے ہیں۔ گویا اس دور میں جانشینی کے قواعد پائے جاتے ہیں، لیکن ایسی کوئی چیز حضور اکرمؐ نے قائم نہیں فرمائی، جس کے معنی میں یہ لیتا ہوں کہ ہمیں اجازت دی گئی ہے کہ حسبِ ضرورت ہم خود کوئی طریقہ اختیار کر لیں، چاہے وہ خانوادہ وار بادشاہت ہو، چاہے جمہوریت ہو، چاہے جماعتی حکومت ہو، سب کی ہمیں اجازت دی گئی ہے اور اس کے لیے ہمیں یہ بشارت بھی دی گئی ہے۔

یدُ اللہِ علی الجماعۃ۔

یعنی اگر سارے مسلمان متفق ہو کر کوئی کام کرتے ہیں تو اللہ کا ہاتھ اُن پر ہوتا ہے۔ اس لیے یَدُ اللہ علی الجماعۃ کی خوشخبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنی ضرورت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحاظ سے اور اپنے حالات کے لحاظ سے جمہوریت بھی قائم کرسکتے ہیں، خانوادہ حکومت بھی قائم کرسکتے ہیں اور جو بھی مناسب سمجھیں، کرسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ وفات سے دو تین دن پہلے رسولِ اکرمؐ مسجد میں تشریف لائے۔ آپؐ انتہائی تھکن کی حالت میں تھے۔ فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ میں تمھیں آخری احکام دوں۔ چنانچہ ظہر سے پہلے خطبہ شروع کیا، ظہر کے لیے وقفہ کیا، ظہر کے بعد دوبارہ خطبہ جاری رکھا اور اس اثنا میں جب انتہائی تھکن محسوس کرنے لگے تو آپؐ کو صحابۂ کرام نے کمرے میں پہنچادیا۔ اس خطبے میں یہ صراحت تھی کہ جلد ہی میں رحلت کرنے والا ہوں لہٰذا تم فلاں کام کرو، فلاں کام کرو۔ یہ نصیحت کی باتیں تھیں۔

اس کے بعد حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپؐ سے ملنے اور مزاج و طبیعت کے متعلق معلوم کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ اس وقت جب رسول اللہ کو ذرا بہتر حالت میں پایا تو کہا یارسول اللہؐ آج آپؐ نے ہمیں بہت سی چیزیں بتائی ہیں۔ . . . . اگر آپؐ املا کروائیں اور کوئی ان چیزوں کو لکھ دے تو ہمارے لیے یہ وصیّت کا کام دے گی، اور یہ اچھی بات ہوگی۔

یہ مشہور قصّہ ہے لیکن وہ پورا نہیں ہوا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بہرحال رسول اللہؐ نے اپنی جانشینی کے متعلق نہ اس آخری خطبے میں کوئی صراحت فرمائی اور نہ اس سے چند مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر جو مشہور عام خطبہ دیا، اس میں کوئی صراحت فرمائی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذیلی طریقے سے حضورؐ نے معین کردیا کہ کیا ہوتا چاہیے۔ وہ ہے نماز کی امامت۔ اسے اسلام میں جماعت کا سرکردہ اور حاکم شخص ہی انجام دیتا ہے۔ قبیلے میں قبیلے کا سردار، کسی شہر میں وہاں کا گورنر اور خود مدینے میں حکمران وقت رسولِ اکرمؐ امامت کرتے تھے۔ ایک دن جب آپ انتہائی تھکن محسوس کر رہے تھے تو حضرت بلالؓ آپؐ کو اطلاع دینے کے لیے آئے کہ جماعت تیار ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ یہ ایک ذیلی طریقہ تھا یہ کہنے کا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے بعد سب سے ممتاز شخص ابوبکرؓ ہوں گے۔ صراحت نہیں تھی، لیکن ایسا ہوا اور حضرت ابوبکرؓ اس کام کو جاری رکھتے ہیں۔ پنج وقتہ نماز میں وہ امامت کراتے ہیں اور رسولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد ایک دلیل کے طور پر، خاص طور سے ان لوگوں کو جو انصارِ مدینہ کو چاہتے تھے کہ خلیفہ ان میں سے ہو، یہ کہا گیا کہ رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو امام بنایا ہے، کیا تم امام کو بدل کر کوئی دوسرا امام مقرر کرنے کی جرأت کرو گے؟

گویا اُن لوگوں سے ایک دلیل کے طور پر کہا گیا اور اُنھوں نے قبول بھی کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی امامت ایک معنی میں رسولِ اکرمؐ کی جانشینی پر دلالت کرتی ہے۔ آپؐ کی وفات کے فوراً بعد ایک طرف انصارِ مدینہ تھے جو چاہتے تھے کہ اسلامی حکومت برقرار رہے اور اس کا خلیفہ یا حکمران ان میں سے ہو، انصار میں پھوٹ تھی لہٰذا ان کی خواہش ایک ایسی خواہش تھی جس میں کوئی جان نہ تھی۔ اگر اوس کے قبیلے سے سردار لیا جاتا تو خزرجی اسے قبول نہیں کرتے، خزرجی ہوتا تو اوسی قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ ان میں اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلے ہی دن سے خانہ جنگی اور پھوٹ پڑ جاتی۔ بہر حال اس موقعے پر ایک قبیلے کے سردار نے اپنے محلے کی انجمن کے دفتر میں لوگوں کو جمع کیا اور یہ کوشش کی کہ ایک شخص کا انتخاب بطور خلیفہ کے کیا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ کام ہو جائے تو پھر دوسرے لوگ بھی قبول کر لیں گے۔ اگر نہ ہوا تو لوگ ہچکچاہٹ محسوس کریں گے۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو آپ فوراً اُٹھے اور اپنے ساتھ حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح اور دو ایک ساتھیوں کو لیا اور سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، جہاں انصار کے قبیلے کے لوگ جمع ہو کر کسی کو رسول اللہؐ کا جانشین بنانے پر غور کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر وہاں بلا اطلاع پہنچتے ہیں مگر وہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ جاؤ تمھاری ضرورت نہیں ہے، بلکہ کہتے ہیں تشریف لائیے۔ وہ لوگ اُنھیں ادب کے ساتھ بٹھاتے ہیں، کہتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ اسلامی حکومت برقرار رہے اور چونکہ انصاریوں کی مدد سے اسلامی حکومت پھیلی ہے، لہٰذا حضور کا جانشین خلیفہ بھی انصار میں سے ہونا چاہیے، بس یہی ہم سوچ رہے تھے۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ اُٹھتے ہیں اور اُن کو مخاطب کر کے مختلف چیزیں بتاتے ہیں جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے ایک یہ بھی تھی کہ تم نے خود سُنا ہوگا کہ رسول اللہ ؐ نے ایک بار (یا بارہا) فرمایا ہے کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیے، لہٰذا وہ کوئی مکّے کا مہاجر ہوگا، تم میں سے یعنی انصار میں سے نہیں ہوگا۔

انصار کی دین داری کی داد دینی پڑتی ہے کہ یہ بات سنتے ہی سب حیرت زدہ ہوجاتے ہیں اور اس ایک ہی لفظ پر سارا قصّہ ختم ہوجاتا ہے۔ انصار کہتے ہیں بے شک سرِ تسلیم خم، ہم مانتے ہیں کہ مہاجرین میں سے کوئی شخص خلیفہ بنایا جائے۔

اس کے بعد کا واقعہ اس سے بھی زیادہ اثر انگیز ہے۔ حضرت عمرؓ اُٹھے اور حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر چاہا کہ بیعت کریں، تو ایک انصاری سردار چلّاتا ہے، ٹھہرو! ٹھہرو! تم سے پہلے میں بیعت کروں گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ انصار اس کے خلاف نہیں ہیں بلکہ انصار ہی نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا ہے۔

یہ طریقہ بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ جانشینی کے لیے عوام الناس سے استصواب کیا جائے، اور جو لوگ اسے قبول کریں اس کو سب لوگ مانیں۔

ایک آخری بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بننا نہیں چاہتے تھے، مجبور ہوگئے تو گھر آکر عام لوگوں کو بلایا، اور فرمایا کہ رسول اللہ کی وفات ہوچکی ہے کیا کرنا چاہیے؟ وہاں پر گفتگو ہوئی اور اس کے بعد حاضرین نے مسجد میں بیعت کی تجدید کی۔

اس واقعہ سے حضرت ابوبکرؓ کی شان نظر آتی ہے، آدمی مدہوش ہوجاتا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے خلیفہ بناؤ، چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ تین دن تک شہر کی گلی گلی میں، محلے محلے میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا، لوگ بیان کرتے گئے کہ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں خلیفہ نہیں ہونا چاہتا، تم مجھ سے بہتر کسی شخص کا انتخاب کرلو اور تمھیں تمھاری بیعت سے سبکدوش کرتا ہوں ۔کیا ہم ایسے بے نفس شخص کو خلیفہ بنائیں؟ یا حکومت کے خواہش مند کسی شخص کا انتخاب کریں؟ بالکل نتیجہ ظاہر ہے۔

بہر حال رسولِ اکرمؐ نے حکومت قائم فرمائی، وہ کس طرح پھیلی؟ یہ بیان کرچکا ہوں، اور کس طرح آپؐ نے اپنی جانشینی کا انتظام فرمایا؟ یہ بھی آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج کل ہماری ضرورتیں بے شمار ہیں، ہر چیز کے متعلق میں آپ کے سامنے سیرت کا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ حکومتوں کے سلسلے میں اور خاص کر آج کل کی اسلامی حکومتوں کی مصیبتوں کے سلسلے میں رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ہمارے لیے ایسے سبق ہیں کہ اگر انھیں تلاش کیا جائے تو ہم اپنے ہر معاملے کو حل کرنے کی اس میں تدبیر پائیں گے۔

اگر ہم میں حقیقی اور مخلصانہ خواہش ہو کہ ہم خدا اور رسولؐ کے احکام پر عمل کریں، ذاتی خواہشوں کو چھوڑ دیں اور اسلامی طریقے کو اپنائیں تو ہمارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

یہ تھیں چند چیزیں جو میں نے عرض کیں، میری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں۔

سوال و جواب

سوال: کیا ہر شخص یا ادارہ اجتہاد کا حق رکھتا ہے، خواہ اس کا مبلغِ علم کچھ ہی ہو؟ اسلام کے احکام کے مطابق اجتہاد کا حق کس کو حاصل ہے؟

جواب: گذشتہ چند دنوں میں مجھ سے یہ سوال بارہا کیا گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اجتہاد کا حق ہر شخص کو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص ہر قسم کے معاملات میں اجتہاد کر سکے یا اس کی بات کو دوسرے لوگ بھی قبول کریں۔ اجتہاد کرنا ایک بات ہے۔ اس اجتہاد کو قبول کیا جانا دوسری بات۔ اور خود رسولِ اکرمؐ نے ایک بڑی اہم بات بیان فرمائی ہے کہ **المجتہد یخطی ویصیب**۔ یعنی اجتہاد کرنے والا صحیح نتیجے پر بھی پہنچ سکتا ہے اور غلطی بھی کر سکتا ہے۔ پھر حضورؐ اضافہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے تو اللہ اُس کو دوہرا ثواب دیتا ہے۔ اگر اس نے نیک نیتی کے باوجود غلطی کی ہے تو بھی اُس کو نیک نیتی اور کوشش کی وجہ سے ثواب ملتا ہے۔ اس کے معنی میں یہ لیتا ہوں کہ اجتہاد کرنے کا حق ہر شخص کو ہے، لیکن یہ بھی سوچ لیجیے کہ ہر شخص ہر چیز کی اہلیت نہیں رکھتا۔ مثلاً میں نان بائی ہوں تو اپنے پیشے کے بارے میں کسی ڈاکٹر کے پاس جا کر مشورہ نہیں لوں گا۔ میں بیمار ہوں تو اپنے علاج کے لیے کسی نوبل پرائز یافتہ ماہرِ ادب کے پاس نہیں جاؤں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتہاد کا حق اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دیا ہے، یعنی عقل دی ہے اور اس عقل کے ذریعے سے ہم کسی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہمیں اعتماد ہے تو ہم اُس پر عمل کریں گے، لیکن ہماری بات دوسرے لوگ بھی قبول کریں، یہ ضروری نہیں ہے۔ اچھی ہوگی تو سب لوگ قبول کریں گے۔ یہ میری رائے ہے، مجھے اس پر اصرار بالکل نہیں ہے۔ لیکن میں عرض کروں گا کہ اجتہاد سے مراد اگر آپ قانونی چیزیں لیتے ہیں تو اُسی شخص کو اس میں دخل دینا چاہیے اور وہی دخل دے گا جسے قانونی مسائل سے دلچسپی اور واقفیت ہو، کسی دوسرے فن کا ماہر شخص قانونی مسائل میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرے گا۔

سوال: کیا اسلام میں بادشاہت جائز ہے؟ آپ نے اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب: جی ہاں! میں عرض کرتا ہوں، مثلاً رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ خلیفہ بنے۔ ان میں کوئی بادشاہت نظر نہیں آتی کہ باپ کے بعد بیٹا حکمراں بنا ہے، لیکن وہاں بھی ہمیں یہ امتیاز نظر آتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو ایک جماعت نے منتخب کیا، لیکن حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے نامزد کیا، حضرت عمرؓ نے خود نامزدگی کرنے کی بجائے ایک کمیٹی مقرر فرمائی تاکہ وہ کمیٹی کسی جانشین کا انتخاب کرے، تو یہ بادشاہت نہیں تھی۔ بعد میں ہم بنی اُمیّہ کی خلافت دیکھتے ہیں جو اسلام کے دعوے دار تھے، ان کے زمانے میں علما بھی تھے، علما نے بھی اُن کو حکمران تسلیم کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اُسی خاندان کے ایک فرد ہیں، ان کو لوگ خلفائے راشدین میں شامل کرتے ہیں، تو یہ تھی ایک خاندان کی حکومت۔ بعد میں بنی عباس کی حکومت آئی، وہاں بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ بعد میں ہم ترکی سلاطین کو دیکھتے ہیں، جو اسلامی حکومت تھی۔ وہاں بھی ہمیں ایک طرح سے بادشاہت نظر آتی ہے۔ یہی نہیں، ایک اور چیز — شاید میری طرف سے گستاخی ہوگی، عرض کروں کہ اسلامی حکومت کی تقسیم بھی ہم کو کافی پُرانے زمانے سے ملتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی وفات پر کچھ لوگ حضرت علیؓ کے لیے اور کچھ لوگ حضرت معاویہؓ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے میلان رکھتے تھے۔ ایک زمانے میں دونوں فریقین میں مصالحت ہوئی اور یہ قبول کیا گیا کہ حضرت علیؓ اپنے علاقے پر حکومت کریں، حضرت معاویہؓ اپنے علاقے پر حکومت کریں، باہم امن واماں سے رہیں، اگرچہ یہ چلا نہیں لیکن یہ معاملہ سامنے آیا تھا۔ اس میں ایک وسیع اسلامی حکومت کے ٹکڑے کر کے دو حصّوں میں تقسیم کر دینے کا قابلِ ترجیح طریقے کے طور پر نہیں بلکہ ایک واقعی طریقے کے طور پر ثبوت ملتا ہے۔

یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ آج ایک نہیں پچاس اسلامی حکومتیں ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ سب ممالک ایک حکومت بن جائیں۔ ساری دُنیا میں ایک اسلامی حکومت ہو۔ لیکن وہ کس طرح ہو، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے حکمرانوں، جمہوریتوں کے صدروں اور بادشاہوں وغیرہ کے باہم اختلافات کی وجہ سے یہ ناممکن چیز نظر آتی ہے۔ میں نے پہلے اشارۃً عرض کیا تھا کہ یہ طریقہ اختیار کریں کہ مسلمان حکمرانوں کی ایک مجلس بنائی جائے۔ اس کے رکن صرف حکومتوں کے سربراہ ہوں۔ مثلاً سعودی عرب کا بادشاہ، مصر کا صدر اور اسی طرح دیگر ممالک کے سربراہ وغیرہ۔ اس مجلس کا طریقہ یہ ہو کہ باری باری کسی ملک کا سربراہ مخصوص مدت کے لیے صدر نشین مقرر ہو۔ اس شخص کو ہم تشبیہی طور پر اپنا خلیفہ قرار دیں۔ ظاہر ہے کہ اُس جماعت کی باہمی مشاورت کے ذریعے جو بھی فیصلے ہوں گے ان کا اثر بیرونی دُنیا سے تعلقات قائم کرنے میں انفرادی کوششوں کی بہ نسبت زیادہ ہوگا۔ مثلاً پاکستان کی حکومت اگر کوئی مطالبہ کرتی ہے تو اس کا وہ اثر نہیں ہوگا جو حکمرانوں کی ایک جماعت کا ہوگا۔

سوال: آپ کے خیال میں پاکستان میں نظامِ حکومت کیسا مناسب رہے گا؟

جواب: یہ آپ لوگوں پر منحصر ہے، مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ بادشاہت قائم کریں، ڈکٹیٹر شپ قائم کریں، کوئی مغربی قسم کی جمہوریت قائم کریں، جو جی چاہے کریں بشرطیکہ آپ اسلام پر عمل کریں۔ افراد ہوں، حکمران ہوں، سب اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔

سوال: اسلام میں جمہوریت کے تصور کی کیا اہمیت ہے؟ کیا امیر کا چناؤ یا سربراہ کا انتخاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشرافیہ طرزِ حکومت سے منسلک نہیں ہونا چاہیے۔؟

جواب : اس کا انحصار عوام کی رائے پر ہے۔ مثال کے طور پر ایک زمانے میں فرانس میں بادشاہت قائم تھی لیکن بادشاہ اور بادشاہ کا خاندان اس طریقے سے اپنی زندگی گزار رہا تھا کہ اہلِ ملک کو نفرت پیدا ہوگئی، لہٰذا انھوں نے بادشاہ کو ایک مجمع عام میں قتل کیا اور جمہوریت قائم کی۔ یہ عوام الناس کی رائے پر منحصر ہے، اسے کوئی لازمی یا واجبی طریقہ نہیں کہا جاسکتا۔ جمہوریت میں بھی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ دونوں (صورتوں میں) عوام خود ہی دیکھیں گے اور خود ہی فیصلے کریں گے۔ اس میں میرے نزدیک کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

سوال : خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : اس مسئلے کا جواب دینا ذرا مشکل ہے کیونکہ اصولی طور پر ہر شخص کو آزادی ہے کہ میں شادی کروں یا نہ کروں، شادی کے بعد میں اولاد حاصل کروں یا نہ کروں، لیکن کچھ اشارے ہمیں احادیث میں ملتے ہیں جس پر مسلمانوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک حدیث اور ہے جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں کہ "**تناکحوا تناسلوا** .... نکاح کرو، اولاد حاصل کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے پیغمبروں کے مقابلے میں اپنی اُمت کی کثرتِ تعداد پر فخر کرسکوں۔ ان حالات میں میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے منصوبہ بندی ایک ملک میں مفید ہو، لیکن دوسرے ملک میں مضر ہو۔ مثلاً فرض کیجیے کہ آپ ایک ایسے ملک میں ہیں جہاں وسائلِ معیشت بہت کم پائے جاتے ہیں، ہر شخص چار چار بیویاں کرے اور دس دس بچے پیدا کرے تو جلد ہی وہ مقام ناقابلِ رہائش ہو جائے گا۔ عرض کرنا یہ ہے کہ منصوبہ بندی میں جبر کا سوال نہیں ہے۔ عورت چاہتی ہے کہ بچے نہ ہوں تو اس کا شوہر یہ سوچے کہ کیوں نہ ہوں، کیا یہ طبّی وجوہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے؟ یا مرد چاہتا ہے کہ اس کے بچے نہ ہوں تو عورت سوچے۔ غرضیکہ یہ انفرادی معاملات ہیں، میرے خیال میں ایک قاعدہ سب پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔

سوال : دورِ حاضر میں مثالی اسلامی ریاست کی ضرورت کس حد تک ہے؟ اگر ہے تو اس ریاست کی تشکیل کے لیے افراد کہاں سے آئیں گے؟

جواب : "**لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا**" آپ کوشش کریں جس حد تک ممکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۔ رسول اللہؐ کی سیرت ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ایک منزلِ مقصود معین کرو، اس کے لیے کوشش شروع کردو ۔ خدا تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا ۔ یہی نمونہ ہمارے لیے ہر چیز میں ہے ۔ آج کل کی حکومت کے لیے بھی، آج کل کی تجارت کے لیے بھی، آج کل کی طبابت کے لیے بھی، ہمیں مقصد معین کرکے اس کے لیے کوشش کرنا چاہیے، ہوگا وہی جو اللہ نے مقدر کیا ہے، وہی اپنی مشیّت کو نافذ کراتا ہے ۔

سوال :۔ پاکستان کی موجودہ صورتِ حال میں کنفیڈریشن کے مطالبے کی کیا اہمیت ہے ؟

جواب :۔ میں اسے اس لیے غیر ضروری سوال سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے صوبے پنجاب، بلوچستان اور سندھ میں علیحدگی کی خواہش پیدا ہو جیسا کہ بدقسمتی سے بعض اسلامی ملکوں میں نظر آرہا ہے ۔ کُرد اور تُرک یک جا نہیں رہنا چاہتے ہیں تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا ۔ لیکن ہمارے عوام کم از کم ان کی اکثریت موجودہ طرزِ حکومت سے متفق ہے اور ملک کے حصّے بخرے کرنا نہیں چاہتی ہے تو کنفیڈریشن کا سوال نہیں پیدا ہوتا ۔ یونیٹری (وحدانی) حکومت ہی چل سکتی ہے ۔ البتہ جس حد تک اصلاحات کی ضرورت ہے وہ کی جا سکتی ہیں ۔ کنفیڈریشن کے ذریعے سے بھی اور یونیٹری طرزِ حکومت کے ذریعے سے بھی ۔ دونوں ممکن ہیں ۔

سوال :۔ ایک شخص کو ایک گروہ یا جماعت حکمران مقرر کرتی ہے کہ وہ اسلام کے مطابق حکومت چلائے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے ؟

جواب :۔ اُس کو معزول کر دیا جائے گا ۔ جنھوں نے حکمران بنایا ہے وہی معزول کرسکتے ہیں ۔ یہ قدیم سے مسلّمہ چیز ہے، جو شخص کسی کو کسی عہدے پر مامور کرسکتا ہے وہی اس کو اس عہدے سے معزول بھی کرسکتا ہے ۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ حکمرانوں کو معزول کیا جاتا تھا ۔ مثلاً آپ نئے انتخابات میں اُسے ووٹ نہ دیجیے، اس طرح یہ گتھی خود بخود حل ہو جاتی ہے ۔

سوال :۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دینِ الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی روشنی میں کیا یہ ہماری ذمّہ داری نہیں ہے کہ ہم دینِ اسلام کو پوری دُنیا میں Dominate (غالب) کریں اور اس کے لیے کیا بذریعہ جہاد انقلاب کا راستہ اپنائیں یا پُرامن جمہوری جدوجہد کا راستہ اختیار کریں ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب:۔ بھائی صاحب! مجھے اس سوال سے تھوڑی سی تکلیف ہوئی۔ آپ کہتے ہیں کہ اسلام کو Dominate کریں یعنی Impose کریں۔ یہ قرآن کی آیت "لا اکراہ فی الدین" کے خلاف ہوگا۔ اس کی قطعاً اسلام میں اجازت نہیں ہے کہ کسی شخص کو دین اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام کے پھیلانے کی کوشش ضرور کریں اور اس کے لیے اپنی زندگی، اپنا مال اور جان نثار کریں۔ لیکن Impose کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور خود اللہ تعالیٰ اس اسلام کو قبول نہیں کرتا جو مجبوری کی حالت میں اختیار کیا گیا ہو۔

سوال:۔ سود سے متعلق سوالات ہیں کہ: کسی صورت میں سود جائز ہے؟ موجودہ دور میں معاشی نظام سود کے بغیر کیسے چل سکتا ہے؟ بے شک سود حرام ہے لیکن جب حکومتی سطح پر سودی لین دین ہو رہا ہو تو کیا عام آدمی حالتِ اضطرار میں یہ سود لے سکتا ہے؟

جواب:۔ یہ سوال بارہا مجھ سے کیا گیا.... ذرا تحمل کی ضرورت ہے، لفظ سود پر ہم مطلق نہ جائیں۔ ہم سوچیں کہ کون سی چیز کیسی ہے؟ چنانچہ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ میں مکان خریدنے کے لیے قرض لیتا ہوں، وہ سودی قرض بھی ہو سکتا ہے لیکن اسی کو ہم اس طرح بھی Arrange (ارینج) سکتے ہیں کہ رقم دینے والا شخص شریکِ خریدار بنے۔ اُس کا ایک حصہ میری رقم سے ادا ہوگا، دوسرے حصے کی رقم دوسرے شخص کی طرف سے ہوگی۔ جب وہ شریک مِلک ہے تو اس کو کرائے کے متعلق بھی تناسب کے لحاظ سے حق حاصل ہوتا ہے، تو دوسرا شخص جو وہاں رہتا ہے وہ رقم کی ادائی کا ایک طرف سلسلہ جاری رکھے اور جس مقام پر وہ رہتا ہے اس کا کرایہ بھی ادا کرے۔ یہ کرایہ جسے ہم سود کا نام دیتے ہیں، کرایہ بنے گا، سود نہیں رہے گا۔ بہرحال ان کی تفصیلوں میں ہر قسم کے Transaction (تبادلے) کے معاہدات ہم آسانی سے کر سکتے ہیں۔ مجھے عملاً اس میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی، باقی ساری تفصیلات اور تمام قسموں کا ذکر میں آپ سے نہیں کر سکتا۔

سوال: پراویڈنٹ فنڈ پر ملنے والا نفع کیا سود میں داخل ہے۔

جواب: میں اسے سمجھا نہیں۔ عہدِ نبویؐ میں ایک چیز پائی جاتی تھی جس کو "معاقل" کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام دیا گیا ہے۔ یہ ایک طرح سے سوشل انشورنس کی صورت تھی، وہ یہ کہ ملک میں آئے دن ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں، جن میں رقم ادا کرنے کے متعلق کسی شخص پہ ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ مثلاً کسی نے کسی کو عمداً نہیں اتفاقاً قتل کر دیا، یا اسی طرح کا کوئی اور واقعہ ـــــ لیکن قاتل خون بہا کے سو اونٹ دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو متاثرہ شخص کو محروم ہونے کی ضرورت نہیں معاقل (خون بہا) کا جو ادارہ ہوگا اس کی طرف سے رقم ادا کی جائے گی۔

سوال: فنونِ لطیفہ مثلاً موسیقی، مصوری اور رقص وغیرہ کے سلسلے میں اسلام ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ کیا یہ چیزیں بالکل حرام ہیں اور اگر حلال ہیں تو کس حد تک؟

جواب: فنونِ لطیفہ کے متعلق یہاں کچھ مثالیں دی گئی ہیں، میں بطور عمومی کہوں گا کہ قرآنِ مجید کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے زینت کے طور پہ مثلاً ستارے وغیرہ پیدا کیے ہیں تو وہ بھی ایک طرح سے فنونِ لطیفہ ہی ہے۔ بہر حال عرض کرنا یہ ہے کہ موسیقی کے متعلق امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک باب تفصیل سے لکھا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ سو فیصد (موسیقی) حرام نہیں ہے۔ عہدِ نبوی میں لوگ عید کے دن ڈھول بجاتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ کے سامنے حبشی بچوں کا ایک گروہ آیا اور نیزے چلانے کے کرتبوں کے ذریعے سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا، جاؤ یہاں سے نکلو، کیا کر رہے ہو۔ رسول اللہؐ کے الفاظ ہیں "یا عمر ھٰذا عید"۔ آج عید کا دن ہے، لہٰذا عید کے دن خوشی منانے کے جو طریقے ہیں، وہ موجود ہیں یا ذہن میں آتے ہیں اُن سے روکا نہیں جا سکتا۔

مصوری کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، قیامت کے دن سب سے شدید عذاب مصوروں کو ہوگا، اس کی تصریح میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد ان چیزوں کی تصویر ہے جن میں جان ہوتی ہے، جیسے آدمی اور حیوانات وغیرہ۔ باقی درختوں، مکانوں اور اسی طرح کی چیزوں کی تصویروں کی کوئی ممانعت نہیں ہے، تو عرض یہ ہے کہ آج ہم مصوری سے مراد صرف آدمیوں کے پورٹریٹ بنانے کو لیں تو میرے نزدیک ناجائز ہوگا، لیکن عام تصویر، رنگوں کے ذریعے سے شکلیں بنائیں اور وہ آدمیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نہیں بلکہ چیزوں کی ہوں تو اس میں کوئی عمل مجھے مانع نظر نہیں آتا۔

رقص کے متعلق بھی سوال کیا گیا ہے، ۱۹۴۸ء کی شاید بات ہے، آپ کے ہاں دستور بنانے کا کام شروع ہوا تھا، مجھے بھی اُس زمانے میں دعوت دی گئی تھی، اس میں ایک بنگالی عالم بھی شریک تھے، اُن لوگوں نے یہ کہا کہ رقص حرام ہے۔ لطیفے کے طور پر میں نے عرض کیا کہ بھائی صاحب! اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں رقص کرتا ہوں تو تمھیں روکنے کا کیا حق ہے۔ کہنے لگے کہاں؟ میں نے کہا گھر میں، پوچھنے لگے لوگوں کی موجودگی میں؟ میں نے کہا بچے ہوں گے، بچے بھی خوشی سے ہاتھ بجائیں گے کہ اماں جان ناچ رہی ہے۔ تو غرضیکہ سو فی صدی رقص حرام نہیں ہے، البتہ اجنبی عورت سے یقیناً حرام ہے۔

سوال: ہمارے آج کے اسلامی ممالک، کیا غیر اسلامی ممالک سے مدد لے سکتے ہیں؟ جس طرح سعودی حکومت نے امریکہ اور فرانس سے کویت کے سلسلے میں عراق کے خلاف مدد لی؟ اور کیا اُنھیں حلیف بنا سکتے ہیں؟

جواب: میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ ہجرت کے بعد رسولِ اکرمؐ نے مدینے کے اطراف میں شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کے غیر مسلم عرب خود مختار قبیلوں سے باہمی تعاون کے معاہدات فرمائے تھے۔ میں سمجھتا ہوں یہ جواب آپ کے لیے کافی ہے۔

سوال: کیا حضورؐ کی ذاتِ اقدس کی مختلف حیثیتیں تھیں اور آپؐ صرف نبی کی حیثیت سے ہی مطاع تھے؟ کیا حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی شخص امورِ دنیا میں حضورؐ سے زیادہ علم والا ہو سکتا تھا؟

جواب: اگر آپ سیرتِ طیبہ کا غور سے مطالعہ کریں تو جواب مل جاتا ہے۔ اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ ایک مشہور حدیث ہے **انتم اعلم بامورِ دنیاکم**۔ رسول اللہ نے کھجور کے درختوں کے Polynation کے سلسلے میں ایک نامناسب چیز محسوس کی کہ نر یعنی چیز کو زنانہ چیزوں میں ڈالیں، اس طرح سے Sexual چیز پیدا ہوتی ہے سے منع فرمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس سال کھجور کی فصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت ہی خراب رہی۔ لوگ آئے اور شکایت کی یا رسول اللہؐ آپ کے حکم کے مطابق ہم نے یہ کیا اور اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے، تو رسول اکرمؐ نے اپنے حکم کو منسوخ فرماتے ہوئے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ انتم اعلم بامور دنیاکم ۔ میں نبی کی حیثیت سے خدا کے احکام تم تک پہنچاتا ہوں، دنیاوی معاملات میں خدا نے تمہیں آزادی دی ہے، اس کا میں متخصص (ماہر) نہیں ہوں، تم اس میں جو مناسب معلوم ہوتا ہے کرو۔ تو ان حالات میں ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی ایک شخصیت پیغمبر کی ہے، لیکن آپؐ کی انسانی شخصیت بھی ہے، بھوک آپؐ کو بھی لگتی ہے، نیند آپ کو بھی آسکتی ہے۔ گر کر چوٹ سے زخمی ہونا یہ آپؐ کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ غرض ایک انسانی حیثیت ہے اور ایک ربانی نمائندے پیغمبر کی حیثیت ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، دونوں وقتِ واحد میں چلتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی معین معاملے میں پیغمبر خود اجتہاد کر کے ایک رائے قائم کرتا ہے اور وہ خدا کو پسند نہ ہو تو وحی آتی ہے کہ نہیں ایسا نہ کرو۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اور بشریت دونوں آپؐ میں وقتِ واحد میں موجود تھیں، لیکن خدا کی نگرانی رہتی تھی کہ اگر کبھی پیغمبر سے کوئی سہو ہو جائے، اس طرح کا اجتہادی سہو، تو اُمت اس سے متاثر نہ ہو، فوراً وحی کے ذریعے سے خدا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ یہ ہے میرا جواب۔ خدا مجھے معاف فرمائے۔

سوال: آج کے مغربی معاشرے میں قلبی اور ذہنی بے اطمینانی بہت زیادہ ہے۔ کیا صوفیا کا اندازِ تبلیغ وہاں کتابی تبلیغ کی نسبت زیادہ کامیاب رہے گا؟ مغرب میں کیا اندازِ تبلیغ اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: اس سوال کا جواب اس لیے مشکل ہے کہ ہر قسم کے افراد دُنیا میں پائے جاتے ہیں، مغرب میں بھی، مشرق میں بھی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں ان میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود ہیں، ایک مثال آپ کو دیتا ہوں۔ پیرس میں ایک فنِ موسیقی کا ماہر شخص تھا، ایک دفعہ وہ سیاحت کے لیے استنبول پہنچا اور مسجدوں کی بھی سیر کی ۔ اس کے ساتھی ترک بھائی نے اسے ایک چیز بتائی، وہ یہ تھی کہ ترکی میں رواج ہے کہ ہر نماز کے بعد امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باآوازِ بلند قرآنِ مجید کی کچھ آیتیں تلاوت کرتا ہے، لوگ اسے ادب سے سنتے ہیں، اس ترک بھائی نے اُس فرانسیسی غیر مسلم سیاح سے کہا یہ قرآنِ مجید کی تلاوت ہے۔ نثر کی کتاب ہے، لیکن اُسے پڑھ رہا ہے وہ تمھیں عجیب نظر آئے گا۔ واقعی وہ متاثر ہوا، کہا اس نثر میں نظم کی شان نظر آتی ہے، چند دن سوچتا رہا بالآخر مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد وہ دوبارہ استنبول گیا، اتفاق سے میں بھی وہیں تھا، ایک دن وہ گھبراہٹ کی حالت میں کانپتا ہوا میرے پاس یونیورسٹی میں آیا۔ کہنے لگا میرے خیال میں مسلمانوں نے قرآن مجید کو کامل طور پر محفوظ نہیں رکھا ہے کیونکہ اس کی بعض سورتیں اور بعض آیتیں تو بے شک علمِ موسیقی کے مطابق ہیں لیکن بعض نہیں ہیں، اور موسیقی کے مطابق نظر نہ آنے والی چیزیں میرے خیال میں کسی چیز کے حذف کردینے کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ میں نے پوچھا کیا؟ اس اثنا میں وہ عربی خط سیکھ چکا تھا، فوراً جیب سے قرآن مجید کا چھوٹا نسخہ نکالا اور کہا دیکھو یہ سورت ـــ وہ سورت تھی اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح . . . .

یہ الفاظ موسیقی کے نقطۂ نظر سے ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ یہاں کوئی چیز تم لوگوں نے حذف کردی ہے، تمھیں معلوم نہیں ہے لیکن میں بتاتا ہوں کہ علمِ موسیقی کے لحاظ سے یہاں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

میں نے کہا بھائی صاحب اس طرح نہیں پڑھا جاتا جس طرح تم نے پڑھا ہے۔ علمائے قراءت ہمیں بتاتے ہیں کہ اس کو پڑھنا چاہیے . . . . . افواجاً فسبح . . . . .

بولا: میں اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔ غرض عرض یہ کرنا ہے کہ افراد ہر قسم کے ہیں، علمِ موسیقی کے ذریعے سے مسلمان ہونے والے بھی ہیں۔ دنیا میں مختلف قسم کے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی صوفیانہ طریقے سے مسلمان ہوتے ہیں، کچھ اور طریقے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں شامل ہوتے ہیں، کوئی کسی اور طرح سے۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں آپ کو مثالیں دیتا کہ میرے سامنے کس قسم کے معاملات پیش آئے۔ اس لیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ قبول اسلام کا کوئی معین قاعدہ نہیں، کسی کو تصوّف کے ذریعے سے آپ مسلمان بنا سکتے ہیں، کسی کو کسی اور ذریعے سے۔ مقصد ایک ہی ہے اور دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے۔

سوال: تصوف کو اسلامی کردار سازی میں آپ کس حد تک مناسب سمجھتے ہیں؟

جواب: میں نے اسے مفید پایا ہے۔

سوال: انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی نبوت محدود تھی، صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی، کیا احکامِ الٰہی صرف ایک قوم کے لیے ہو سکتے ہیں؟ اور حضرت عیسیٰؑ تبلیغ میں امتیاز رکھ سکتے ہیں؟

جواب: بھائی صاحب اس میں دشواری یہ ہے کہ خدا نے ایک لاکھ چالیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں، حضرت آدم سے لے کر ہمارے پیغمبرؐ تک ان کی سوانح عمریاں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ لیکن معلومات کے جو وسائل ہمارے پاس ہیں، ان کی اساس پر چاہے وہ ایران کے زرتشت کا قصہ ہو یا مصر کے حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہو یا فلسطین کے حضرت عیسیٰؑ کا ہو کہ سارے پیغمبر وقت واحد میں ساری چیزوں سے دلچسپی نہیں لے سکتے تھے، اس لیے خدا نے کبھی ایک قوم کے لیے پیغمبر بھیجا اور کبھی دوسری کے لیے، اور ایک پیغمبر ایسا بھی بھیجا جو ساری دُنیا کے لیے ہے اور اپنی زندگی تک کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اس میں کوئی تضاد مجھے بالکل نظر نہیں آتا، ایسا ہو سکتا ہے۔

سوال: جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں جب کہ اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پھر اسلام میں جمہوریت کا کیا جواز ہے۔؟

جواب: یہ لفظ استعمال نہ کیجیے بجائے جمہوریت کے آپ کوئی ایسا لفظ استعمال کیجیے جو آپ کے خیال میں ناقابلِ اعتراض ہو، چیز وہی ہوگی جو موجود ہے، لیکن اس کا نام بدلے گا۔ جس طرح رسولِ اکرمؐ اپنے کو عبد بھی کہتے ہیں، نبی بھی کہتے ہیں، رسول بھی کہتے ہیں، مرسل بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح جو ہماری اسلامی حکومت ہوگی اُسے ہم جو بھی نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیں اُس سے فرق نہیں پڑتا۔ دونوں کی اجازت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جمہوریت سے مراد صرف طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ ایک ایسی جمہوریت ہم بنا سکتے ہیں جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں ہیں بلکہ خدا کی ذات ہو۔ یہ ہمارے اپنے بنائے ہوئے قانون پر منحصر ہوگا۔

سوال: آج کے یہودی یا عیسائی کیا اہلِ کتاب ہیں؟ ان سے معاملات کیسے ہوں؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ آج کل کے یہود و نصاریٰ میں اور عہدِ نبوی کے یہود و نصاریٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عقائد وہی تھے، خود قرآن ان کو اہلِ کتاب کہتا ہے۔ اگر اہلِ کتاب اپنی کتاب پر عمل نہ کریں تو بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے ایک مسلمان ہے جو قرآن پر عمل نہیں کرتا۔ اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ فاسق ہے، فاجر ہے، جو بھی کہیے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ ہیں، وہ اگر اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور یقیناً بہت سی چیزوں میں وہ عمل نہیں کرتے تو ان کو ان کی حقیقت سے یعنی خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کے ماننے والوں کی جماعت سے خارج نہیں کر سکتے۔

میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ جو صورتِ حال آج کل کے یہود اور نصاریٰ کی ہے عہدِ نبوی میں بھی یہی حال تھا، کوئی فرق ہمیں نظر نہیں آتا۔ ان کو خدا نے اہلِ کتاب کا نام دیا ہے۔

© rasailojaraid.com